

# نصیحت بے اثر کیوں؟

ڈاکٹر طاہر مسعود<sup>○</sup>

عہد حاضر میں جدید تہذیب اور جدید طرز زندگی نے آج عموماً ہمارے اصلاح پسند لوگوں میں جو خرابیاں پیدا کر دی ہیں، ان میں تین بیاریاں سب سے مہلک ہیں جو خود دینی روح کی نفی کرتی ہیں۔ ان میں ایک تو خود رائی اور انانیت، دوسرا مصلحت پسندی، اور تیسرا دوسروں سے بے گانگی و بے حصی ہے۔

یہ عوارض انسانی معاشرت کے لیے ضرر سا ہیں۔ انھی روایوں سے معاشرے کا امن و سکون درہم برہم ہی نہیں ہوتا، بلکہ کش کمش اور قصادم کی ایسی فضا ہموار ہوتی ہے، جس میں ہر فرد اپنی ذات اور اپنے مفادات کا اسیر ہو جاتا ہے، اور وہ اعلیٰ اتدار و روایات جن سے کسی معاشرے کا حُسن قائم ہوتا ہے، بتدریج مٹ جاتی ہیں۔ اگر یہ خامیاں نہ ہوں تو باہمی میں جول اور تعلقات میں محبت، رواداری اور برداشت و تحمل کی اعلیٰ صفات اور خوبیاں پیدا ہوتی ہیں۔ پرانی معاشرت میں وضع داری، انسانی تعلق کا پاس و لحاظ، ایثار و محبت اور رواداری کی خوبیوں کا توازن ثابت پڑے میں تھا، جن کی وجہ سے اُس زمانے میں نفسانی اور آپی دھانپی کی دیسی نفاذ تھی جس کا تمثاہم آج کی نئی معاشرت میں آئے دن دیکھتے رہتے ہیں۔

جن عوارض کا ذکر کیا گیا، ان کے اسباب کو سمجھنے کے لیے ہمیں اس صورت حال کا بھی ادراک کرنا ہوگا، جو آج کے انسان کا جبرا ہے۔ نئی معاشرت اور نئی جدید تہذیب، یہ سب سائنس و تکنالوجی کے فرائد وسائل و تیئشاتِ زندگی سے عبارت ہے۔ یہ تہذیب بنیادی طور پر مشینوں پر انحصار

---

○ سابق پروفیسر، شعبہ ابلاغ عالمہ، جامعہ کراچی

ماہنامہ عالمی ترجمان القرآن، جولائی ۲۰۱۷ء

کرنے کی وجہ سے ایک مشین اور میکانیکی تہذیب ہے، جو خود اپنی اقدار پیدا کرتی ہے۔ اقبال نے اسی لیے مشینوں کی حکومت کو دل، کی موت سے تعبیر کیا تھا۔

مشینیں احساسات و جذبات سے عاری ہوتی ہیں۔ جدید تہذیبی زندگی کا انحصار جیسے جیسے مشینوں پر بڑھتا جاتا ہے اور انسان ان مشینوں سے حاصل ہونے والی سہولتوں اور آسائشات سے زیادہ سے زیادہ سے بہرہ ور ہونے کے لیے ان کو اپنی ذات اور خاندان کے لیے ناگزیر تصور کرنے لگتا ہے، وہ مجبور ہو جاتا ہے کہ ان کے حصول کے لیے اپنی دولت اور آمدنی میں اضافے کے لیے خود مشین بن جائے۔ آج کار، ایئر کنٹرول، واشنگ مشین، فرنچ، مائکرو یو اون، ٹیلی وژن، کمپیوٹر، اور اس نوع کی دوسری مشینیں جو زندگی میں آسانیاں پیدا کرتی ہیں، بینادی اور ضروری بن چکی ہیں۔ ان کے بغیر زندگی گزارنے کا تصور محال ہوتا جا رہا ہے۔

ان وسائل کی موجودگی سے جہاں سہولتیں اور آسانیاں حاصل ہوتی ہیں، وہیں ان کے حصول کے لیے آدمی کو کسب معاش کی تدبیر کرنی پڑتی ہیں کہ معاشرے میں انھی سے اس کا سماجی مرتبہ اور اسٹیٹس، متعین ہوتا ہے۔ جب جدید شہری معاشرہ دولت اور اسٹیٹس کی دوڑ میں شریک ہو جاتا ہے تو اس میں کامیابی کے لیے اسے اعلیٰ اقدار و روایات جو دوسروں کے لیے خیر خواہی، ایثار و قربانی، محبت و مرمت، تخلی و برداشت وغیرہ سے عمارت ہوتی ہیں، بدستقی سے انھیں خیر باد کہنا پڑتا ہے۔ چوں کہ اس ساری مسابقت و مقابلے کا محور و مرکز اپنی ذات اور اپنا گھر انداز اور اس کے منادات ہوتے ہیں، اس لیے مقابلے میں جتنے کی شرط ہی خود غرضی، مفاد پرستی، بے حسی و بے گانگی وغیرہ ہوتی ہے۔

چنان چہ، ہمیں جو اقدار و روایات آج بھی چھوٹے شہروں اور قصبات میں نظر آتی ہیں، ان کے مظاہر بڑے شہروں کی مصروف و مشینی زندگی میں ناپید کھائی دیتے ہیں۔ گویا جن عوارض کو آج کے انسانوں میں ہم نے 'مہلک بیماری' سے تعبیر کیا، وہ آج کی شہری زندگی کی مجبوری بھی ہے اور مقدر بھی۔ چھوٹے شہروں اور قصبات و دیہات میں آج بھی لوگوں کے پاس وقت کی فراوانی ہے، اور مہر و محبت اور خلوص کے جذبات ہیں جن کا اظہار مہمان نوازی اور تواضع کی صورت میں وہاں کیا جاتا ہے۔ ایسی مہمان نوازی، دل داری اور تواضع کی توقع آج کے شہری آدمی سے نہیں کی

جاسکتی۔ گویا انسان اپنے ماحول کا اسیر ہوتا ہے اور یہ ماحول کا جبر ہوتا ہے جس میں انسان اپنی خوبیوں یا خامیوں کی نشوونما کرتا ہے۔

لہذا، شہری زندگی اور مسائل میں گھرے ہوئے آدمی کی جانچ پر کھکھ کے لیے ان عوامل کو نظر میں رکھا جانا چاہیے۔ آج کا ایک عام شہری جورو زگار کی مجبوری میں صبح گھر سے نکلتا ہے، طویل فاصلے کو طے کر کے، ٹریک کے ہجوم اور بد نظمی سے ذہنی کوفت و اذیت کو جھیلتے ہوئے دفتر یا کاروبار کے لیے پہنچتا اور پھر شام تک سر کھپا کروپس ایسی ہی اذیتوں کو سبھتے ہوئے گھر لوٹتا ہے، جہاں پہلے سے اُبھینیں اور پریشانیاں اسے گھیرنے کے لیے تیار بیٹھی ہوتی ہیں۔ ایسے پریشان حال آدمی سے اعلیٰ اخلاقی صفات کی امید رکھنا بجاے خود کم فہمی ہے۔

اس لیے آج کے شہری انسان کو نصیحتوں اور مشوروں کی نہیں، مدد کی ضرورت ہے۔ پہلے اسے ان بکھیریوں اور اچھتوں سے نجات دلانے کی ضرورت ہے، جن میں اُبھج کروہ و دانستہ یا نادانستہ اپنی اخلاقی صفات کھو بیٹھا ہے یا ان کی نشوونما کرنے اور انھیں اُبھارنے کی طرف سے غافل ہے۔ آج کا شہری انسان 'مظلوم' ہے۔ اسے 'ظلم' کے شکنے سے نکالے بغیر اس سے اچھا انسان بننے کی توقع ایسی ہی ہے، جیسے ایک کمزور و بیمار انسان کو بستر پر پڑا دیکھ کر اسے کاہلی اور بے عملی کا طعنہ دیا جائے۔ جب وجود کی بقا ایک سوال بن جائے تو انانیت اور خود رائی کا پیدا ہونا فطری امر ہے۔ جب آسایشات اور ضروریات ہی زندگی کی مجبوری یا اوّلین ترجیح بن جائیں تو مصلحت و منفاذ پرستی پر اعتراض کو وزن دینے کے لیے کوئی آمادہ نظر نہیں آتا۔ جب تہذیب و معاشرت میں ترقی کے لیے یکساں موقع، عدل و انصاف اور سیاسی و معاشی نظام میں انسانی ہمدردی، خیر خواہی اور مساوات کے اصول و ضابطے ناپید ہو جائیں، تو افراد اور معاشرے میں بے حسی اور بے گاگی کا پیدا ہو جانا کوئی تعجب خیز امر نہیں رہتا۔

جب کسی معاشرے میں ماحول اور مسائل کے جبر کے تحت انسان زندگی برکرنے پر مجبور ہو جائے تو اس کی شخصیت دلخت ہو جاتی ہے۔ وہ اعتقادات کی سطح پر ایک الگ زندگی اور معاملات کی سطح پر ایک بالکل مختلف و متفاہ طرز عمل اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج معاشرے میں عقیدہ عمل میں تضاد پیدا ہو گیا ہے۔ ہم جو عقیدہ اور اخلاقی تصورات اپنے ذہن

میں رکھتے ہیں، ان عقائد اور اخلاقی تصورات کی روشنی میں معاملات کرنا چاہیں بھی تو نہیں کر پاتے۔ آخر کیا وجہ ہے کہ جو لوگ درس قرآن، درس حدیث اور وعظ و تلقین کی مجلسوں میں اپنے اور نئی خیالات سن کر اپنے اندر سے اپنے ذہن، ضمیر اور دل سے ان سچائیوں کی تصدیق کرتے ہیں۔ مدرس کے حکیمانہ مکتوں پر واد واد، سجان اللہ کے ڈنگرے بھی برساتے ہیں، لیکن ان پاکیزہ جذبات سے سرشار مجلسوں سے نکل کر بھی اکثر ویسے کے ویسے ہی رہتے ہیں، اور چند استثنائی مثالوں کے سوا ان کے عملی معاملات میں کوئی واضح اور قابل ذکر تبدیلی جو نہیں پکڑتی۔ اس حقیقت کو سمجھے بغیر یہ بات قابل فہم نہیں ہو سکتی کہ اگر محض وعظ و تلقین سے انسان بد لے جاسکتے تو آج سارے انسان نکیوں کا ہوتے۔ یہ بات کہنے کا مقصد وعظ و تلقین کی افادیت اور اہمیت کا انکار نہیں، بلکہ ان کے ساتھ دیگر پہلوؤں کی جانب توجہ دلانا مقصود ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ انسان اندر سے بھی بدلتا ہے اور باہر سے بھی۔ اگر معاشرتی، معاشی اور سیاسی نظام ابتر و مایوس کن ہو تو ایسے نظام کے زیر اشداد کھ، اذیت اور ظلم سہتے انسان کو محض اچھی توقعات کے بل پر اچھا نہیں بنایا جاسکتا۔ ایسے انسان کو مشورے سے زیادہ، مدد کی ضرورت ہے۔ مدد کے بغیر مشورہ دینا اور نصیحت کرنا کم فہمی کے ساتھ خود ناصح کی بے حصی ہے کہ جن مریضوں کو وہ ناصحانہ دوائیں تجویز کر رہا ہے، ان کے مرض کے اصل اسباب سے ہی بے خبر ہے یا انھیں جانے میں وہ غلطی کا مرٹکب ہو رہا ہے۔

---